بیت اللہ پر پہلی نظر

مرتب: ظفر حجازی

سطح ارض پر "بیت اللہ" پہلی مبارک عبادت گاہ ہے جو انسانوں کے لیے قائم کی گئی اور جسے تمام جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ حضرت آدمؑ سے لے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک متعدد انبیا نے ضرورت پڑنے پر اس کی تعمیر میں حصّہ لیا۔ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ کی تعمیرِ کعبہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے: ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے: "اے ہمارے رب ہم سے یہ خدمت قبول کر لے۔" (البقرہ ۲: ۱۲۷)۔ حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوا کہ "لوگوں کو حج کے لیے اِذنِ عام دے دو کہ وہ تمہارے پاس ہر دُور دَراز مقام سے پیدل اور اونٹوں پر سوار آئیں (الحج ۲۲: ۲۷)۔ بیت اللہ کے متعدد نام ہیں: کعبہ، بیت الحرام، بکّہ، اَلْبَیْتُ الْعَتِیْق

بیت اللہ آج بھی اسی صورت میں قائم ہے جو حضور اکرمؐ کے زمانہ میں تھی۔ آپؐ نماز فرض ہونے سے قبل بھی کعبہ رُخ ہو کر عبادت کرتے تھے۔ ہجرت کے بعد تقریباً ڈیڑھ سال تک آپؐ نے بیت المقدس کو قبلہ بنایا لیکن آپؐ کی آرزو تھی کہ مسلمانوں کے لیے کعبہ ہی قبلہ بنے۔ قرآن مجید میں آپؐ کی اس خواہش کا ذکر موجود ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کا رُخ اسی قبلہ کی طرف پھیر دیا جو آپؐ کو پسند تھا (البقرہ ۲: ۱۴۴)۔ آپؐ نے ۷ ہجری کو عمرہ ادا کیا اور ۸ ہجری کو مکّہ فتح کرلیا اور بیت اللہ کو بتوں سے پاک کردیا گیا، ۹ ہجری میں حج کے موقع پر مشرکین کو بیت اللہ میں داخلے سے منع کردیا گیا۔ ۱۰ ہجری میں حضور اکرمؐ نے ایسی شان سے حج کی قیادت کی کہ کوئی مشرک بیت اللہ کی حدود میں موجود نہ تھا۔

کتنی متبرک و مقدس ہے یہ جگہ کہ اللہ کے جلیل القدر انبیا نے اس کا طواف کیا اور کتنے مبارک تھے وہ لمحات کہ خاتم النبین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کے گھر کا طواف کیا اور حجرِ اسود کو بوسہ دیا، ہزاروں صحابہؓ انؐ کے جلو میں تھے، وہ صحابہؓ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے، کتنے ہی صدیقین، شہداء، صالحین اور اللہ کے ایسے برگزیدہ بندے

جن پر اللہ کا انعام ہوا' اس مقدس سرزمین پر اللہ کے گھر کا طواف کرتے اور حجر اسود کو بوسہ دیتے آرہے ہیں۔ یہ سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ دل' شوق و محبت کے جذبات سے معمور اور آنکھیں بیت اللہ کی زیارت کے لیے بے تاب' عشاق کے قافلے دور دراز مقامات سے آج بھی بیت الحرام میں پہنچ رہے ہیں۔ بیت اللہ پر پہلی نظر پڑتے ہی دل و دماغ کی کیفیات کو بعض زائرین نے قلم بند کیا ہے۔ یہاں چند ایک حج ناموں میں سے صرف وہ اقتباس دیئے جارہے ہیں جو ان احساسات کی ترجمانی کرتے ہیں جو خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی مصنفین پر طاری ہوئے . . . اقتباسات زمانی ترتیب سے دیئے گئے ہیں اور اقتباس کے آخر پر ماخذ اور حج کا سال دیا گیا ہے۔

مولانا رفیع الدین مراد آبادی

سعدیہ سے چل کر' دو دن بعد' بوقت چاشت ۱۴ شوال بروز دو شنبہ مکہّ معظمہ میں حاضر ہوئے۔ چونکہ چار کوس سے زیادہ پیادہ پا اور سرو پا برہنہ چلا تھا' اور آفتاب بہت گرم تھا' سنگریزے اور ریگِ راہ جل رہے تھے' اس لیے بہت مشقت برداشت کرنی پڑی۔ لیکن دیدارِ جمالِ کعبہ سے تمام عمر کی کلفتوں کا ازالہ ہوگیا۔

اس مَورِدِ مسعود میں آنے کے وقت مشتاقانِ جمالِ مصطفویؐ کو مواضع اقدام نبویؐ کے مشاہدے سے' اور آنحضرتؐ کے اس مقام پر رونق افروز ہونے کے تصوّر سے' دل میں وہ نوُر اور باطن میں وہ سرور پیدا ہوتا ہے کہ بیان سے باہر ہے۔

طالبِ صادق پر' کہ جس کی چشمِ بصیرت کحلِ ہدایت سے سرگیں ہو اور اس کا دیدۂ باطن نورِ عنایت سے منوّر ہو' یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ تمام حرمین اور اس کے نواح کے پہاڑوں' جنگلوں' وادیوں اور مکانوں میں' جو کہ منظورِ نظر سعادت اثر رہے ہیں' اور ناظرِ جمال' بہجت مآل ہوئے ہیں' جمالِ محمدیؐ کے اَثر سے کس قدر نورانیت و روحانیت نمایاں ہے۔

بہر زمیں کہ نسیمے ز زلف آوردہ است ہنوز از دمِ آں بوئے عشق می آمد

ایک دن بعد نماز عشا متصل مصلائے مالکی مَطاف میں بیٹھا ہوا تھا۔ چاندنی رات تھی اور مکہّ معظمہ کا جاہ و جلال عجیب شان دکھا رہا تھا۔ اتنے میں علی نام کے ایک درویش جو بغداد کے رہنے والے ہیں' مرد صالح اور عالم ہیں' میرے پاس آئے۔ بعد مکالمہ وحصولِ تعارف' میں نے ان سے کہا' تم مردِ صالح ہو' میرے لیے دعا کرو کہ حق تعالیٰ میری مغفرت کرے اور میرا یہ سفر قبول فرمائے۔ انھوں نے کہا' کیا تم ایسے شخص کو جس سے تم ناراض ہو' اپنے گھر آنے دیتے ہو؟ میں نے کہا' نہیں۔ وہ بولے' بس اِسی طرح اللہ تعالیٰ انھی لوگوں کو اپنے گھر بلاتا ہے جن سے

راضی ہوتا ہے' بیگانوں کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دیتا۔ پھر کہا' کہ حق تعالیٰ اپنے علمِ قدیم کی رُو سے ہمارے ایک ایک عیب کو جانتا ہے اور جب کوئی کسی غلام کو' اس کے عیب سے مطلع ہونے کے باوجود' خریدتا ہے' تو اس عیب کی وجہ سے اس پر عتاب نہیں کرتا۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے امیدوار ہیں کہ ہمارے ان عیبوں کو' جن سے وہ ہمارے پیدا ہونے سے پہلے واقف ہے' پوشیدہ رکھے گا اور ان کی بنا پر ہم سے مواخذہ نہ کرے گا۔ اس درویش کے کلام سے اس وقت دل کو ایک عجیب راحت پہنچی۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کرے۔

(سوانح الحرمین (فارسی)' اردو ترجمہ **"سفرنامہ حجاز"**: نسیم احمد فریدی امروہوی' ۱۲۰۱ھ: ۱۷۸۷ء)

نوّاب محمد مصطفیٰ خان شیفتہ

۱۷ ذیقعد کو بطحا کی مقدّس وادی میں پہنچ گئے۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ کعبتہ اللہ کے جلوے نے تمام غم دُور کر دیے۔ ہونٹوں کو حجرِ اسود چومنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ پیشانی عتبہ عالیہ پر گھسنے سے منوّر ہوئی۔ ہاتھوں کو اِستلام رکن کا شرف حاصل ہوا۔ آبِ زمزم نے شرابِ طہور کی بشارت دی۔ طوافِ بیت اللہ نے آتشِ دوزخ سے نجات کی نوید دی۔ کعبہ شریف کے پردے دونوں ہاتھوں سے تھام کر گویا دامنِ امید تھام لیا۔ صفا و مروہ کی سعی کی برکت سے پاؤں' کوہِ ابو قبیس پر چڑھنے اترنے سے محفوظ ہو گئے۔

(ترغیب المسالک اِلیٰ اَحسن المسالک (فارسی) اردو ترجمہ **"ماہِ منیر"** ۱۲۵۵ھ: فروری ۱۸۴۰ء)

غلام رسول مہر

میری آلودۂ معصیت نگاہیں اس مقدّس گھر پر پڑیں جو اس کائنات کا افضل ترین مقام ہے اور جو دن میں پانچ مرتبہ کروڑوں پیشانیوں کا نقطۂ ماسکہ بنتا ہے۔ ہم باب السلام سے داخل ہو کر بیت اللہ کی طرف بڑھے تو زبان پر یہ دعا جاری تھی: **"اَللّٰھُمَّ زِدْ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّ مَھَابَۃً وَّ زِدْ مَنْ زَارَہٗ ھٰذَا الْبَیْتَ تَشْرِیْفًا وَّ تَعْظِیْمًا وَّ تَکْرِیْمًا وَّ مَھَابَۃً"** ---

اللہ اکبر' کتنا پاک مقام ہے' کتنی مقدس دعائیں مانگی گئی ہیں کتنا مزکّی خطّہ ہے! ساڑھے تیرہ سو سال کی مدّت میں اس مقام پر اللہ تعالیٰ کو جس درجہ یاد کیا گیا ہے اور اس کی بارگاہ میں عاجزی کے ساتھ جس قدر دعائیں مانگی گئی ہیں' دنیا کی کسی عبادت گاہ میں نہیں مانگی گئیں۔ بلکہ میرا دعویٰ تو یہ ہے کہ ساری دنیا کی عبادت گاہوں کے ذکروں اور دعاؤں کو ملا کر بھی بیت اللہ کے ذکر و دعا

کے مقابلے میں پیش نہیں کیا جاسکتا۔ عرب کے موسمِ گرما کی تن سوز دوپہر ہو یا دنیا و مافیہا کے سکون و آرام کی تیرہ و تار راتیں ہوں' بیت اللہ کا دامن ذاکروں کی نداؤں سے اور مُطاف طائفین کے ذکر و دُعا سے کبھی خالی نہیں ہوا۔ یہ شرف اور کس مقام کو حاصل ہے! محی الدین ابن عربی کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ دس سال حرمِ پاک میں اس انتظار میں رہے کہ انھیں تنہا طواف کا موقع مل جائے۔ دس سال میں صرف ایک مرتبہ ایسا موقع ملا' اور جس حد تک طواف کا تعلق ہے' ظاہر ہے کہ حرمِ پاک کو شیخ محی الدین کے طوافِ تنہائی میں بھی خالی نہیں کہا جاسکتا۔ یہ ہے حرمِ پاک کی عظمت' یہ ہے حرمِ پاک کا مقامِ تکریم و تعظیم' یہ ہے حرمِ پاک کی برتری!

(سفر نامہ حجاز' مئی ۱۹۳۰)

ابوالقلم خاموش فتح پوری

آدھی رات کے قریب مکّہ معظمہ کی روشنی نے آنکھوں کو نور بخشا۔ ساری تکان اور صعوبتیں غائب ہوگئیں۔ وضو کیا اور سیدھے حرم شریف میں داخل ہوئے۔ قدم رکھتے ہی ایک عجیب طرح کا کیف و سرور دل و دماغ پر چھاگیا۔ اپنے آپ کی خبر نہ رہی۔ خدا جانے ان اینٹ پتھروں میں کہاں کی مقناطیسی قوّت ہے کہ انسان بے سوچے سمجھے جھومنے لگتا ہے۔ حرم شریف کی روشنی میں گزرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں میری لیلائے مراد' سیاہ لباس پہنے ہوئے' گلے میں سنہری ہار ڈالے' ہزاروں برس سے میرے انتظار میں کھڑی تھی۔ میں اس کے گرد گھوم کر قربان ہوا۔ معلم صاحب دعا پڑھاتے گئے۔ طواف کی دعائیں کیا ہیں! اگر انسان سمجھ کر پڑھے تو واقعی جنم جنم کے روگ وہیں ختم ہو جائیں۔ میری آنکھوں سے خود بخود آنسو ابل پڑے۔

(مارچ ۱۹۳۴)

ابوالحسن علی ندوی

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو جنّت اور اس کی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سنا' اسی طرح مکّے اور مدینے کا تذکرہ بھی سنا تھا۔ جنّت کو حاصل کرنے اور ان دونوں متبرک شہروں کو دیکھنے کی تمنا اسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔ پھر ایسا ہوا کہ ایک طویل عرصے کے بعد میں خود اس جگہ آ پہنچا جس کی زمین پر نہ تو سبزے کا فرش تھا اور نہ اس کی گودی میں ندیاں کھیلتی تھیں۔ اس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑ کھڑے پہرہ دے رہے تھے۔

جب میں نے حُسنِ ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے' لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔ اگر یہ شہر جس کا دامن گُل کاریوں سے خالی ہے' روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرہ ہوتی اور انسان محض ایک قیدی!

یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا۔ انسان کو اس کی کھوئی ہوئی سرداری اور چھینی ہوئی آزادی دلائی۔ اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بھاری بوجھوں کو اتارا۔ اس کے طوق و سلاسل کو جُدا کیا جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔ وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے نیا جنم لیا اور تاریخ نئے سرے سے ڈھل کر نکلی۔

لیکن مجھے ہوا کیا ہے جو میں کہتا ہوں کہ "اگر یہ شہر نہ ہوتا" "اگر مکّہ نہ ہوتا"! اگر مکّہ نہ ہوتا تو کیا ہو جاتا۔ مکّہ تو اپنے خشک پہاڑوں' ریتیلے ٹیلوں' بلکہ خانہ کعبہ اور زمزم کے متبرک کنوئیں کو اپنی گود میں لیے ہوئے چھٹی صدی مسیحی تک برابر سوتا رہا ہے' اور انسانیت سسکتی اور دَم توڑتی رہی ہے' لیکن اس نے مدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھایا' گویا وہ دنیا کے نقشے سے بالکل علیحدہ تھا۔ اس لیے مجھے کہنا چاہیے کہ مکّہ نہیں' بلکہ مکّے کا وہ عظیم الشان فرزندؐ اگر نہ ہوتا' جس نے تاریخ کے رُخ کو بدل دیا اور زندگی کے دَھارے کو موڑ دیا اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا' تو دنیا کا یہ نقشہ نہ ہوتا۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھوں کے سامنے چند مناظر پھر گئے۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے قریش کا یہ سردار تن تنہا خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے۔ لوگ اس کا مذاق اڑا رہے ہیں' اس سے بد زبانی کر رہے ہیں' لیکن وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ جب وہ طواف ختم کرتا ہے تو خانہ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے' لیکن خانہ کعبہ کا کلید بردار عثمان بن طلحہ اسے سختی سے روکتا ہے۔ سردارؐ صبر سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے: "عثمان' وہ دن بھی کیا ہوگا جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی' اور میں جسے چاہوں گا اسے دوں گا۔" عثمان کہتا ہے: "اس دن قریش ختم ہو چکے ہوں گے؟" سردارؐ جواب دیتا ہے: "نہیں' بلکہ اس دن انھیں حقیقی زندگی ملے گی۔"

تاریخ شاہد ہے کہ وہ شخص صرف اس کنجی کا مالک نہیں ہوا جس سے وہ خانہ کعبہ کے دروازے کو کھول سکتا تھا' بلکہ اس کے پاس وہ کنجی بھی تھی جس سے وہ انسانیت کے ان تالوں کو بھی کھول سکتا تھا جو کسی حکیم اور فلسفی سے اس وقت تک نہیں کھُل سکے تھے۔ یہ کنجی قرآن

کریم ہے جو اس پر نازل کیا گیا' رسالت ہے جو اسے سونپی گئی' جو انسانیت کی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے اور ہر زمانے کی مشکلات کا حل پیش کرتی ہے۔

(شرق اوسط میں کیا دیکھا : اکتوبر ۱۹۴۷)

مسعود عالم ندویؒ

ہمارا قافلہ منزلِ مقصود کی طرف چل کھڑا ہوا۔ ڈیڑھ دو گھنٹہ کی مسافت ہے۔ سب کی زبانوں پر "لبیک" اور دل شوق و محبت کے جذبات سے لبریز' مگر اس گنہگار کا دل پہاڑیوں کے سلسلے ہی میں الجھا رہا۔ کتابوں کا پڑھنا یہاں کام نہیں آیا۔ کہاں یہ دشوار گزار گھاٹیاں اور صبر آزما پُرپیچ راستے اور کہاں ہمارا ناقص اندازہ ؟ بڑا فرق پایا۔ اللہ کا لاکھ لاکھ درود و سلام پاک اور برگزیدہ بندےؐ پر جس نے تکلیفیں سہ کر' جسم و جان کو خطرے میں ڈال کر' اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچایا۔ دنیا اور دنیا والے اس ذات گرامیؐ کے احسانات کے بار سے سبکدوش نہیں ہوسکتے۔ وہ پیغام آج بھی موجود ہے' لیکن کہاں ہیں ان کا کلمہ پڑھنے والے اور ان کی محبت و عقیدت کا دَم بھرنے والے ؟

اگلے روز "لبیک" کہتے ہوئے چلے۔ دل دھڑک رہا تھا اور نگاہیں پُرشوق' ہر طرف کچھ ڈھونڈ رہی تھیں۔ راستے میں شیخ عبداللہ نے کہا : "کہو تو دعائیں بتاؤں۔" میں نے عرض کیا : "سنّت تلبیہ ہی ہے۔" آٹھ دس منٹ میں "باب السلام" پہنچ گئے۔ دل دھڑکا۔ وہ سامنے کعبہ نظر آیا۔ ہم امام مالکؒ کے مسلک پر کوئی خاص دعا نہیں پڑھ رہے تھے۔ سیدھے حجرِ اسود کے پاس پہنچے۔ شمع کے گرد پروانوں کا ہجوم ! یوں سارا حرم بقعۂ نور بنا ہوا تھا اور ہر طرف پروانے تھے' مگر اس نور کی بستی میں ایک سیاہ نقطہ سب سے زیادہ پُرنور نظر آرہا تھا۔ اس سیاہ نقطہ کے ایک کنارے پر پروانے گھوم گھوم کر آتے تھے۔ ہم بھی ان کفن بردوش دیوانوں میں شامل ہوگئے۔

(دیارِ عرب میں چند ماہ : ۱۹۴۹)

قدرت اللہ شہاب

میں نے سُن رکھا تھا کہ جو شخص حرم شریف میں داخل ہوتا ہے وہ اپنا جوتا' گناہوں کی گٹھڑی' اپنی دستارِ فضیلت اور اپنی بزرگی کا عمامہ دروازے کے باہر چھوڑ جاتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ جب وہ باہر آئے گا تو اس کا جوتا یا اس کے گناہوں کی گٹھڑی' یا اس کی فضیلت کی دستار' یا اس کی بزرگی کا عمامہ اسؐ کو واپس بھی ملے گا یا نہیں۔ بعض لوگوں کے جوتے گم ہو جاتے

ہیں، بعض لوگوں کے گناہوں کی گٹھریاں غائب ہو جاتی ہیں، بعض لوگ اپنی فضیلت اور بزرگی سے محروم ہو جاتے ہیں۔ میرے پاس حرم شریف کے باہر چھوڑنے کے لیے اپنے پاؤں میں ربڑ کے چپل اور سر پر گناہوں کی گٹھری کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ میں نے دل و جان سے دونوں کو اٹھا کر باہر پھینک دیا۔

باب السّلام کے راستے حرم شریف میں داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی دَم بھر کے لیے بجلی سی کوندی اور زمین کی کشش ثقل گویا ختم ہو گئی۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا جیسے گاڑی کو مضبوط بریک لگا کر میرے وجود کو پنکچر شدہ ٹائر کی طرح جیک لگا کر ہوا میں معلق کر دیا گیا ہو، جیسے میری پنڈلیوں کا گوشت ہڈیوں سے الگ ہو رہا ہو۔ میرے جسم کے اعضا کا ایک دوسرے کے ساتھ رابطہ ٹوٹ سا گیا، ہاتھ بے لوچ ہو کر لٹک سے گئے، اور سَر بھنور میں پھنسے ہوئے خَس و خاشاک کی طرح بے بسی سے چکر کاٹنے لگا۔ اس طرح اپاہج سا ہو کر میں طواف کے لیے آگے بڑھنے کے بجائے بے ساختہ لڑکھڑا کر وہیں بیٹھ گیا۔

(۲۷-۱۳ : اگست ۱۹۵۳)

ماہرالقادری

لیجیے حدودِ حرم سے بھی کچھ آگے نکل آئے۔ تلبیہ پڑھتے میں آنکھیں بھی زبانِ اشک سے لَے میں لَے ملا رہی ہیں۔ مکّہ کے قریب کے میدان اور پہاڑیوں کو دیکھ کر بار بار یہ خیال آرہا ہے کہ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ادھر سے ضرور گزرے ہوں گے۔ کیا عجب ہے ان وادیوں میں سرکارؐ نے بکریاں بھی چرائی ہوں۔ نہ جانے اس سرزمین کے کون کون سے قطعے ہیں جو حضورؐ کی پابوسی کے شرف کو اپنی جبینوں اور سینوں میں محفوظ کیے ہوئے ہیں!

مکّہ کی آبادی آگئی۔ رات کا وقت ہے۔ ایسے میں جو ٹیلہ، جو پہاڑی اور جو مکان بھی نظر آتا ہے، عقیدت کہتی ہے کہ اسے دل میں اتار لیجیے۔ یہ لندن اور پیرس نہیں، مکّہ مکرمہ ہے، یہ بلد امین ہے۔ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام دونوں باپ بیٹوں نے اسی مقدّس سرزمین پر کعبہ کی بنیادیں اٹھائی تھیں، اور اس پاک اور مبارک شہر کا سب سے بڑا شرف یہ ہے کہ یہ انسانیت کے محسنِ اعظم، دنیا کے سب سے بڑے آدمی، اور نبیوں کے خاتم، محمدؐ عربی (فداہ ابی و امی) کا مولد و منشا ہے۔ زمانہ کی قدر ناشناسی اور دنیا کی غفلت کے ہاتھوں انسانی مجد و شرف کی تاریخ یا تو لوگوں نے بھلا دی تھی یا پھر اسے مسخ کر دیا تھا۔ اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ انسانیت کی تاریخ کا پہلا ورق اسی سرزمین پر مرتب ہوا۔ اسی شہر میں حق کی وہ آواز بلند ہوئی جس نے باطل کے جسم میں

تھرتھری پیدا کردی۔ یہ تاریخی شہر نہیں بلکہ خود "تاریخ ساز" شہر ہے۔ اس شہر پر تاریخ کا ذرّہ برابر بھی احسان نہیں ہے، بلکہ خود تاریخ پر اس شہر کا احسان ہے، تاریخ اس شہر سے جانی پہچانی جاتی ہے۔ اگر تاریخ سے "مکّہ" کو نکال دیا جائے تو پھر تاریخ میں رہ کیا جائے گا!

مُطوف آگے آگے ہے اور ہم حرم شریف کی طرف جا رہے ہیں ۔

پائم بہ پیش از سرا ایں کو نمی رَود!
یاراں! خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست

میرا پاؤں اس کوچہ سے آگے نہیں جاتا ۔ صاحبو! بتاؤ یہ کس کی جلوہ گاہ ہے۔

"باب السّلام" سے داخلہ ہوا۔ اور بیت اللہ پر نگاہ پڑتے ہی زبان پر تکبیر جاری ہو گئی!

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ!

جلال و ہیبت اور جبروت و اُبہت کا سامنا ہے۔ ایک عالمِ گومگو اور ایک کیفیتِ بے نام، جو طاری ہوتی چلی جا رہی ہے ۔

محو کھڑا ہوا ہوں میں حُسن کی بارگاہ میں اب نہ کہیں نگاہ ہے اب نہ کوئی نگاہ میں!

یا اللہ، میں کہاں آگیا! یہ میں کوئی خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں! مجھ سا پلید اور حرم مقدّس میں! مجھ سا خطا کار، گنہ گار اور معاصی سرشت اس مقام پر جہاں ہر زمانہ کے اَتقیاء و صُلحاء، پاک بازوں اور نیکو کاروں نے سجدے اور طواف کیے ہیں! یہ پَیروں سے نہیں، سَر کے بل چلنے کا مقام ہے۔ یہاں کا جتنا بھی احترام کیا جائے تھوڑا ہے۔ ما، شما کا کیا ذکر ہے، اللہ کے جس گھر کا خود حضور سیّد المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے طواف کیا ہو، جہاں حضورؐ نے نمازیں پڑھی ہوں اور رو رو کر دعائیں مانگیں ہوں، وہاں مجھ جیسے نابکار کی حاضری ایک معجزہ سے کم نہیں اور اللہ تعالیٰ جب فضل فرماتا ہے تو ایسے معجزے ظہور میں آتے رہتے ہیں!

کہاں بلایا گیا ہوں ———— اَلْعَظَمَۃُ لِلّٰہ! ۔

کلاہِ گوشۂ دہقاں بہ آفتاب رسید

اور

اک اک قدم پہ سجدۂ شکرانہ چاہیے!

جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے تو نصیب اسی طرح جاگا کرتے ہیں، اور حقیر ذرّوں کو درخشانی اور ذلیل خار و خَس کو رعنائی دی جاتی ہے۔ داتا جب دینے پر آئے تو اسے کون روک سکتا ہے۔ اس کے جود و عطا ہم دُنیا والوں کے قانون اور ضابطہ کے پابند نہیں ہیں، کون کہہ سکتا ہے کہ اس

شہنشاہِ حقیقی کے دربار سے کس کو کیا دیکھ کر نوازا جاتا ہے۔ جو انسان نفس اور رُوح کی ماہیت کو نہ سمجھ سکا اور خود اپنے جذبات اور محسوسات کا تجزیہ نہ کرسکا، وہ اللہ تعالیٰ کے اسرار کی پرچھائیں کو بھی بھلا پا سکتا ہے؟ بندے کا کام صرف سمع و اطاعت ہے۔ اسرار و غیوب کے حجابات اٹھانے کی فکر میں لگے رہنا بندے کا منصب ہی نہیں ہے۔

(کاروانِ حجاز : اگست ۱۹۵۴)

نسیم حجازی

بارگاہِ خداوندی کے جاہ و جلال کے تصوّر سے لرزتا ہوا اندر داخل ہوا۔ صحن میں پاؤں رکھتے ہی خانہ کعبہ پر نظر پڑی اور مجھے اچانک ایسا محسوس ہوا کہ اس کی چھت آسمان کو چھو رہی ہے۔ سینکڑوں آدمی وہاں طواف کر رہے تھے۔ کسی کو دوسرے کی طرف دیکھنا گوارا نہ تھا۔ جو طواف سے فارغ ہو چکے تھے، ان میں سے کوئی حطیم کے اندر نفل پڑھ رہا تھا اور کوئی غلافِ کعبہ تھام کر گریہ و زاری کر رہا تھا۔ کسی کو کسی کے ساتھ سروکار نہ تھا۔ کسی کو کسی کے ساتھ دلچسپی نہ تھی ---- وہ مختلف سمتوں سے آئے تھے، لیکن وہاں مشرقی اور مغربی، کالے اور گورے، امیر اور غریب، ادنیٰ اور اعلیٰ کی کوئی تمیز نہیں تھی۔ طواف شروع کیا۔ میری خود فراموشی کا یہ عالم تھا کہ کبھی چلتے چلتے میری رفتار کم ہو جاتی ---- اور کبھی میرے قدم تیز ہو جاتے۔ ----

لیکن دو تین چکر لگانے کے بعد میں سنبھل چکا تھا۔ خانہ کعبہ کے گرد سات چکر پورے کرنے اور ہر بار حجرِ اسود کو بوسہ دینے کے بعد باب الرحمہ کے سامنے دعا شروع کی۔ وہاں شاید پہلی بار یہ خیال آیا کہ میں کون ہوں اور کہاں ہوں اور اس کے ساتھ ہی میری آواز بیٹھ گئی۔ میں بڑی کوشش کے ساتھ رُک رُک کر دعائیہ کلمات دُہرا رہا تھا، لیکن اچانک میری قوتِ گویائی جواب دے گئی اور آنسوؤں کا ایک سیلاب جو نہ جانے کب سے اس وقت کا منتظر تھا، میری آنکھوں سے پھوٹ نکلا۔

یہ ایک ایسا مقام تھا، جہاں بچے کی طرح سسکیاں لینا بھی مجھے معیوب نہیں معلوم ہوتا تھا ---- کسی نے میری طرف دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ کسی نے یہ نہ پوچھا کہ تم کیا کر رہے ہو۔ ان کی بے اعتنائی اور بے توجہی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ ایک انسان کے آنسو اسی مقام کے لیے ہیں۔ ----

میں نے باب رحمت کی دہلیز پر ہاتھ پھیلا دیے اور دیر تک کھڑا رہا۔ اس وقت میرے دل میں کوئی دعا تھی تو اس کے لیے الفاظ نہ تھے۔ پھر مجھے احساس ہوا کہ میرے پیچھے اور لوگ کھڑے

ہیں۔ میں نے ایک طرف ہو کر خانہ کعبہ کا غلاف تھام لیا۔ اب طبیعت قدرے ہلکی ہو چکی تھی۔ آہستہ آہستہ میری زبان سے دعائیں نکلنے لگیں۔ وہ ہاتھ جو میں نے دُعا کے لیے اٹھائے تھے، پھیلتے گئے۔ ایک گدا کے لیے ہاتھ پھیلانے کی اس سے بہتر جگہ اور کیا ہو سکتی تھی؟ میں کبھی پاکستان کے مسلمانوں کی سربلندی کے لیے دُعا کر رہا تھا۔ کبھی کشمیر کی آزادی کا طلب گار تھا۔ کبھی ہندی مسلمانوں کی فریاد سنا رہا تھا اور کبھی الجزائر اور فلسطین کے مسلمانوں کے لیے التجائیں کر رہا تھا۔

(پاکستان سے دیارِ حرم تک: اگست ۱۹۵۹)

علی طنطاوی

جب کوئی باب السلام سے داخل ہوتا ہے اور بیت الحرام پر اس کی نظر پڑتی ہے، اور پھر وہ کعبہ اور حطیم کا طواف کرتا اور مقامِ ابراہیمؑ کو دیکھتا ہے، تو اسے اتنی زبردست خوشی حاصل ہوتی ہے کہ دنیا کی ساری خوشیاں اس کے سامنے ہیچ نظر آتی ہیں۔

یہ ہے مقامِ دوست! ہجر کی طویل راتوں کے بعد یہیں وہ آپ سے ملاقات کا منتظر ہے۔

یہیں طواف کرنے والوں کا وہ نورانی جلوس ہے جو کعبے کے اردگرد انتہائی ذوق و شوق کے ساتھ رَواں دَواں ہے۔ ہر شخص اپنے رب کو پکار رہا ہے، اس کے آگے دامنِ طلب پھیلا رکھا ہے اور وہ رب کریم ہے کہ کسی کا سوال ٹھکراتا نہیں، کسی کو خالی ہاتھ نہیں پھیرتا۔

اس وقت دل پر عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے آپ حریمِ دوست کے اندر داخل ہو کر اس کے بالکل قریب جا پہنچے ہیں۔ سارے پردے اور حجاب اٹھتے چلے جاتے ہیں، اور پھر جیسے آپ کو حبیب کے رخِ روشن کی جھلک نظر آگئی ہے۔

اے لوگو، یہیں کعبے والا ملے گا۔ یہ حطیم ہے، یہ زمزم، اور یہ مقامِ ابراہیمؑ ہے۔ آپ کے خواب حقیقت بن گئے۔ آپ کی تمنائیں بر آئیں۔ دیکھو، مسلمان صف در صف حریمِ دوست کے اِردگِرد کھڑے ہیں۔ یہ صفیں حرم سے باہر ساری دنیا میں پھیلتی چلی گئی ہیں۔ یہ اس دائرے کا مرکز ہے، یہ زمین کا حقیقی محور ہے۔ یہاں دور دراز کی مسافتیں اور فاصلے سمٹ کر رہ جاتے ہیں۔ ملک اور قومیں ایک ہو جاتی ہیں۔ یہاں مشرق بھی ہے اور مغرب بھی، زمین کے قریب ترین مقامات بھی ہیں اور بعید ترین گوشے بھی۔

(من نفحاتِ الحرم: ۱۳۷۰ء: مئی ۱۹۶۱)

شورش کاشمیری

بیت اللہ کے چاروں طرف غلاف چڑھا ہوتا اور اس پر آیات قرآنی منقش ہوتی ہیں۔ حرم کی روشنیوں کے ہالے میں غلاف اتنا بھلا معلوم ہوتا ہے کہ بھلا کے لفظ کا اس سے بہتر استعمال ہی نہیں۔ ایک عمارت ایک عبا پہن کر کھڑی ہے' جس سے سطوت' عظمت اور حشمت ٹپکتی ہے۔ دنیا میں کوئی عمارت ایسی نہ ہوگی جو ہر دور کی ہر ساعت میں لوگوں کا مرکز ہو۔ اور جہاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں کوئی ثانیہ طواف کے بغیر نہ گزرتا ہو' روشنیوں نے کعبتہ اللہ کو اس طرح جگمگا رکھا ہے کہ ہر لحظہ بقعۂ نور نظر آتا ہے۔ رات کو یہ منظر اور بھی دل کش ہو جاتا ہے۔ آس پاس کے پہاڑوں سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین نور اُگل رہی ہے۔ چاروں طرف روشنیاں ہی روشنیاں ہیں۔ مسجد الحرام اور بیت اللہ میں کسی انسان کے لیے کوئی امتیاز نہیں۔ شاہ و فقیر سب برابر ہیں۔ یہ عشق کا دربار ہے اور عشق کے دربار میں کسی ابوالفضل و فیضی کے لیے جگہ نہیں۔ فرق ہے تو صرف اللہ سے لَو لگانے والوں کے مراتب و مناقب میں ہے۔ جہاں دولت یا حکومت کے لیے کوئی اعزاز نہیں' اعزاز ان کے لیے ہیں جن کے سَر اور جن کے دِل اللہ کے حضور میں اس طرح جھکے رہتے ہیں کہ اوپری نگاہیں اور رسمی طبیعتیں ان تک پہنچ ہی نہیں پاتی ہیں۔ ہر شخص اپنی لَو میں مگن رہتا اور عشق و ایمان سے بقدر ظرف بہرہ یاب ہوتا ہے۔ حاضری میں یکسانی ہے حضوری میں نہیں' یہ قول شاعر۔

عشق کی چوٹ تو پڑتی ہے دلوں پر یکساں
ظرف کے فرق سے آواز بدل جاتی ہے

(شب جائے کہ من بودم: ۱۹۶۹)

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر

حرم شریف کا حسین و منوّر منظر اگرچہ جنّت نگاہ تھا' لیکن اسے دیکھتے ہی دِل بھر آیا' آنکھوں سے جوئے اشک رَواں ہوگئی' اور رُوح "دوست" کی دید و حضوری کے لیے ماہیِ بے آب کی طرح تڑپنے لگی۔ ہم نے ارشادِ نبویؐ کی مطابعت میں احرام باندھے' باب السّلام سے گزر کر' بنی شیبہ کے راستے' حرم شریف میں داخل ہوئے' تو ہماری نظریں خانہ کعبہ پر پڑیں اور وہیں مرتکز ہوگئیں۔ یہ میرے اِلٰہ و ربّ کا گھر تھا' جو جلوۂ حُسن و نُور اور جنّتِ اہلِ نظر تھا۔ اسے صدیوں پہلے سیّدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے' جو پیغمبرِ صدق و وَفا اور خلیل اللہ تھے' اپنے ربِ جلیل کے حکم سے اپنے فرزند صالح و فرماں بردار اور پیغمبرِ تسلیم و رضا' حضرت اسماعیل علیہ السلام کے

تعاون سے تعمیر کیا تھا۔

حرم شریف بقعۂ نور بنا ہوا تھا۔ اس نور میں نورِ ملکوتی اور حسنِ الٰہی کے رنگ کا امتزاج بھی تھا' اس لیے ایمان انگیز و بصیرت افروز' دلکش و جاں آفریں' نظر افروز و سرور آگیں' اور کیف پرور و سحر انگیز تھا۔ اہلِ جذب و شوق پر عجب وارفتگی کا عالم تھا۔ وہ تلاشِ "دوست" میں سرگرداں و آشفتہ سر دکھائی دیتے تھے۔ کچھ سعی کرنے میں مشغول تھے' تو بعض ذکر و اذکار اور تلاوت کرنے میں منہمک تھے' لیکن کثرت ان عشاق کی تھی جو "دوست" کی بلائیں لینے اور اس پر فدا ہو جانے کی تمنا میں طواف کر رہے تھے۔ ان کا "دوست" کے گھر کے اِردگِرد گھومنا' گریہ و زاری اور الحاح و فریاد کرنا' اور خشوع و خضوع سے دعائیں مانگنا' سوزِ عشق و مستی کا ایسا سچا اور رقت انگیز نظارہ تھا کہ مجھ پر بھی یہی کیفیتِ جذب و جنوں طاری ہوگئی۔ "دوست" آنکھوں سے نہاں تو تھا' لیکن دیدۂ دل پر جلوہ فگن بھی تھا۔ نظر اسے دیکھ تو نہیں سکتی تھی' لیکن اس کی موجودگی کا احساس بھی ہوتا تھا۔ روح کے جذب و شوق اور وارفتگی و شیفتگی سے ایسا تاثر ملتا تھا جیسے "دوست" اپنے عشاق میں موجود انھیں دیکھ رہا ہے۔ "دوست" حقیقتِ گریز پا کی طرح ظاہر بھی تھا اور نہاں بھی' اور اہلِ جذب و شوق اس کی طلب و جستجو میں دیوانے ہو رہے تھے' اور ان کی یہ دیوانگی "اس" کی نظر میں اتنی عظیم و عزیز ہوتی ہے کہ اس پر ہزاروں فرزانوں کی فرزانگی قربان کر دی جائے۔

ہم عشا کی نماز اور نوافل پڑھ کر فارغ ہوئے' تو طواف کرنے کے لیے ہجومِ عشاق میں شامل ہوگئے۔ نور کی بارش اور ملکوتی سائے اگر جنت نگاہ تھے' تو تسبیح و تمجید اور حمد و ثنا کی دل گداز صدائیں فردوسِ گوش تھیں۔ مرد و زن اور پیر و جواں' اپنے معبود و محبوب اور مطلوب و مقصود کے گھر کے گرداگرد عالمِ سرمستی میں پروانہ وار گھوم رہے تھے۔ کسی کو کسی کا ہوش نہ تھا۔ سب دنیا و مافیہا سے بے نیاز "کوئے دوست" میں اس کی طلب و جستجو میں سرگرداں تھے۔ حرم شریف حقیقت میں "کوئے دوست" ہے' جس میں عشاق اس کے قرب و وصال اور دید و حضوری کی آرزو میں دیدۂ شوق فرشِ راہ کیے ہوئے تھے۔ سب کی نظریں "دوست" کے گھر پر مرتکز تھیں' جس کا دیکھنا عبادت' اور اس کا صلہ آنکھوں کی ٹھنڈک' نفس کی طمانیت اور روح کا سرور ہے۔ اس پر اہلِ نظر کی ہر نگہِ محبت کا اجر بے حساب ہے۔ نظر اس پر پڑتی تو شہیدِ نظارہ ہو جاتی ہے' اور اس شہادتِ نظر کا صلہ بھی سرورِ جاودانی ہے۔ یہ راز شہیدِ نظارہ ہی جانتے ہیں۔

(روداد سفرِ حجاز ۹۹ - ۱۴)

فرید احمد پراچہ

بابِ عباس سے حرم شریف میں داخل ہوئے تو نگاہوں کے سامنے خدا کا گھر موجود تھا۔ جس کی طرف منہ کرکے ہم نمازیں پڑھتے رہے وہ آج نگاہ ہی نہیں لَمس کی قربت کے فاصلے پر موجود ہے۔ اللہ اللہ کتنی خوش نصیبی ہے۔ جس گھر کو دیکھنے کی تمنائیں کرتے تھے' قلب و نظر کا وہ قبلہ آج نظروں میں سما رہا ہے' نگاہیں ہیں کہ ہٹتی ہی نہیں' دل ہے کہ بے تابی سے دھڑک رہا ہے' احساس ہے کہ مُجرم بن کر سامنے آرہا ہے۔ حضور سرور کائنات ؐ نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ پر پہلی نظر پڑتے ہی جو دعا مانگی جائے وہ لازماً قبول ہوتی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ سے کسی نے پوچھا' اس موقع پر کیا دعا مانگنی چاہیے' آپ نے فرمایا کہ خدا سے اپنے مستجاب الدعوات ہونے کی دعا مانگنی چاہیے تاکہ اس کے بعد جو بھی دعا کی جائے قبول ہو جائے۔ امامِ اعظمؒ کی نکتہ آفرینی میں کتنی حقیقت ہے' کتنی زندگی ہے' لیکن خانہ کعبہ پر پہلی نظر کے سے مجھے تو سب کچھ بھول گیا' الفاظ دھندلا گئے' عرضِ مُدعا اور حرفِ دُعا تک یاد نہ رہے' حتیٰ کہ اپنی ذات کا شعور بھی نہ رہا۔ خانۂ خدا سے نگاہیں ہٹتی ہی نہیں۔ مکہؐ کے انتہائی نشیب میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا تعمیر کردہ خدا کا یہ پہلا گھر دنیا کی ہر بلندی سے زیادہ بلند ہے۔ لوگ اس کے اِرد گِرد والہانہ طواف کر رہے تھے۔ ہم بھی اس سیلِ شوق میں شامل ہو گئے۔

(سفر شوق: ۱۹۸۱)

زبیدہ حیؔ

اقبال صاحب نے ایک جانب اشارہ کیا "وہ رہا حرمِ کعبہ۔" میں نے پلٹ کے دیکھا --- جیسے بادلوں سے چاند نکل آیا --- وہ چاند جس کی ضیا سے ایماندار دل منوّر ہیں' جس کی میٹھی روشنی سے مایوسیوں کی تیرگی چھٹ جاتی ہے۔

میری آنکھیں کھُلی کی کھُلی رہ گئیں۔ ایک عجیب احساس طاری ہو گیا' جیسے کوئی دیہاتی کسی انتہائی رُعب و تمکنت والے شہنشاہ کے عالی دربار میں آ نکلے اور آدابِ شاہی سے قطعی ناواقف ہو۔ ---

یہ سنگِ مرمر کی نہایت عظیم الشان فقید المثال عمارت ہے' دودھیا اور سرمئی رنگ کی ہلکی دھاریاں ہیں' سنگِ مرمر طویل جالیوں اور سِلوں کی شکل میں دُور دُور تک پھیلا ہوا ہے۔ سنہری منقش اور چوبی دروازے' بلکہ وسیع و عریض و لاتعداد دروازے' جو اس عالی مرتبت عمارت کی کشادگی کا واضح ثبوت ہیں' چاند تاروں اور خانۂ اقدس کی قابلِ دید روشنی میں نہائے ہوئے تھے۔

گویا آسمانی نور‘ زمینی نور پر پھیلا ہوا تھا کہ خانہ کعبہ ایک نور ہے‘ بھٹکے ہوؤں کے لیے راہِ راست ہے‘ یعنی نُورٌ عَلٰی نُوْر (روشنی پر روشنی) نور پر نور کی بارش میں مجھے یہ پوری عمارت گول نظر آئی۔۔۔۔

ربِّ لاشریک کی یہ مسجد اپنے حُسن میں لاثانی ہے۔ اس کے جمال و جلال کی مظہر خوبصورت ترین مسجد کو دیکھ کر میری چلنے چلنے کی سکت بھی جاتی رہی۔ یہ وہ حُسن ہے جو محسوس کیا جاسکتا ہے بتایا نہیں جاسکتا۔ یہ وہ جاذبیت ہے جو سیدھی دل میں اتر جاتی ہے۔ بے اختیار دل سے نکلا "اے اللہ اس کا مالک تو تُو ہی ہو سکتا ہے۔ اتنا عظیم گھر تو تیرا ہی ہو سکتا ہے۔ اس عمارت اور عالی شان گھر کو زیب دیتا ہے کہ منبعِ برکات و فیوض اور سرچشمۂ رحمت کی وجہ سے تیرا گھر کہلائے۔

(زیبِ نصیب ۱۹۸۱:۱۰۰۱)

عالم اسلام کے نامور سائنس دان
پاکستان کے مایہ ناز فرزند

ڈاکٹر عبدالقدیر خان

کے بارے میں حیرت انگیز‘ روح پرور اور قابل فخر
خزینہ معلومات کی حامل تازہ تصنیف

محسن پاکستان

شائع ہو گئی ہے۔ اسے معروف ادیب اور صحافی

سحر صدیقی

کے معجزنما قلم نے رقم کیا ہے۔

- صفحات: 440
- قیمت: 200 روپے
- مضبوط جلد
- آفسٹ پیپر
- فوٹو آفسٹ پرنٹنگ
- چار رنگ کا دیدہ زیب ٹائٹل

ملنے کا پتہ

فاران اسلامی پبلشرز۔ A-2/6/181 ٹاؤن شپ‘ لاہور